عربوں کے عہد میں سندھ میں علم وادب

از ڈاکٹر محمد اسلم صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور

عرب و ہند کے تعلقات قدیم زمانے سے چلے آتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں کے تجارتی جہاز جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں لنگر انداز ہوتے ہوئے جزائر شرق الہند (موجودہ انڈونیشیا) تک جایا کرتے تھے[1]۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ معدلت میں بحرین کے گورنر عثمانؓ بن ابی العاصی الثقفی کے دل میں ہندوستان پر حملہ کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اُس نے اپنے بھائی الحکم کو چند جہاز دے کر ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ الحکم نے بمبئی کے نواح میں تھانہ پر حملہ کیا اور بہت سامالِ غنیمت لے کر بحفاظت بحرین پہنچ گیا[2]۔ جب حضرت عمرؓ کو اس مہم کی اطلاع ملی تو انھوں نے عثمانؓ بن ابی العاصی کو لکھا، "ثقیف کے بھائی تو نے کیڑے کو لکڑی پر چڑھا دیا۔ قسم ہے اگر وہ لوگ ضائع ہو جاتے تو میں تیری قوم سے اتنے ہی آدمی لے لیتا[3]" ہمارے علماء اور مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کو چونکہ بحری جنگوں کا کوئی تجربہ نہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے عثمانؓ بن ابی العاصی کو متنبہ کیا کہ وہ آئندہ اس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہ کرے۔

---

[1] محمد اسلم، نظریہ پاکستان اور نصابی کتب، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۹۰
[2] علامہ بلاذری، فتوح البلدان، مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ج ۳، ص ۵۳۰
[3] ایضاً۔

ہندوستان پر الحکم کا پہلا حملہ چونکہ بڑا کامیاب رہا تھا اس لئے اس نے موقعہ پاکر بھڑوچ پر حملہ کیا اور اس کے بھائی مغیرہ نے دیبل کی کھاڑی میں تباہی مچا دی[1]۔ یہ دونوں مہمیں بڑی کامیاب رہیں اور دونوں بھائی بہت سامان غنیمت لے کر واپس لوٹے۔

علامہ بلاذری رقمطراز ہیں کہ حضرت عثمانؓ سندھ میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے اور موصوف وہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھے[2]۔ حضرت عثمانؓ نے جب عبداللہ بن عامر کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو اُسے سندھ کے سرحدی علاقوں کے حالات معلوم کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ العبدی کو مکران کے ساحلی علاقوں کا جائزہ لینے پر مامور کیا۔ کچھ عرصہ بعد جب حکیم بن جبلہ اپنا مشن مکمل کر کے عبداللہ بن عامر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس نے اُسے حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ جا کر خود ہی اپنی سروے رپورٹ امیرالمومنین کی خدمت میں پیش کرے۔ حکیم بن جبلہ نے مکران کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عثمانؓ کو بتایا۔

ماؤھا وشل وثمرھا دقل ولصّھا	وہاں پانی کم ہے اور پھل نکمے ہیں۔ چور دلیر
بطل، ان الجیش فیھا ضاعوا	ہیں۔ اگر لشکر کم ہو تو وہاں ضائع ہو جائے
وان کثروا جاعوا[3]۔	اور اگر زیادہ ہو تو بھوکوں مر جائے۔

حکیم بن جبلہ کی گفتگو سن کر حضرت عثمانؓ نے استفسار فرمایا کہ وہ خبر دے رہا ہے۔ یا سجع کہہ رہا ہے؟ حکیم نے کہا کہ وہ خبر دے رہا ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے اس علاقے پر لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا[4]۔

حضرت عثمانؓ کے جانشین حضرت علیؓ بھی سندھ کے حالات سے بخوبی واقف

---

[1] سید سلیمان ندوی، عربوں کی جہاز رانی، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۵ء، ص ۵۹
[2] علامہ بلاذری، فتوح البلدان، مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ج ۳، ص ۵۳۰
[3] ایضاً۔
[4] عبدالحیٔ، نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۴۷ء، ج ۱، ص ۷

تھے اور انھوں نے ایک عرب سردار کو باقاعدہ سندھ کے ساحلی علاقوں کی نگرانی پر مامور کیا تھا[۱]۔ حضرت علیؓ کو باہمی خانہ جنگی نے سندھ پر لشکر کشی کی اجازت نہ دی لیکن جب ان کی شہادت کے بعد حضرت معاویہؓ کو قدرے سکون نصیب ہوا تو انھوں نے سندھ کی طرف توجہ مبذول کی۔ امیر معاویہ کے نامور جرنیل المہلب نے متعدد بار سندھ کے سرحدی شہروں پر حملے کئے لیکن ہمارے مؤرخوں نے ان حملوں کو سرحدی جھڑپوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ مروانیوں کے عہد میں سندھ کے فرماں روا راجہ داہر نے مکران کے گورنر سعید بن اسلم کو قتل کر کے عربوں کی مخالفت مول لی[۲]۔ اس واقعہ کے چند سال بعد جب سندھی بحری قزاقوں نے عربوں کے چند جہاز لوٹ لئے تو انھیں مجبوراً سندھ پر حملہ کرنا پڑا۔

حجاج بن یوسف نے، جو ولید بن عبدالملک کے عہد میں مشرقی صوبوں کا گورنر جنرل تھا۔ اپنے داماد اور بھتیجے محمد بن قاسم کو فوج دے کر سندھ روانہ کیا اور اس نوجوان فاتح نے سندھیوں کے دلوں پر اپنی تلوار کی دھاک بٹھا دی۔ محمد بن قاسم کا مقصد محض کشور کشائی نہ تھا اس لئے وہ جہاں کہیں بھی گیا اس نے تبلیغ اسلام کو اولین اہمیت دی۔ یہ اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ سب سے پہلے سندھیوں میں سے جینہ قوم نے اسلام قبول کیا[۳]۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے دیبل کی فتح کے بعد وہاں کی زمین کی پیمائش کروائی اور اس کے قطعات فاتحین میں تقسیم کر دیئے۔ علاوہ ازیں اس نے دیبل میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی اور اس شہر میں چار ہزار مسلمان آباد کئے[۴]۔ اسی طرح محمد بن قاسم نے داہر کے دارالحکومت ارور کی فتح کے بعد وہاں بھی ایک عالی شان مسجد تعمیر کروائی[۵]۔

---

[۱] سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات، مطبوعہ الہ آباد ۱۹۳۰ء، ص ۱۴
[۲] علامہ بلاذری، فتوح البلدان، مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ج ۳، ص ۵۳۰
[۳] محمد معصوم بھکری، تاریخ سندھ، مطبوعہ بمبئی ۱۹۳۸ء، ص ۲۳
[۴] علامہ بلاذری، فتوح البلدان، مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ج ۳، ص ۵۳۵
[۵] میر محمد معصوم بھکری، تاریخ سندھ، مطبوعہ بمبئی ۱۹۳۸ء، ص ۳۶

میر محمد معصوم بھکری کی روایت ہے کہ محمد بن قاسم نے مال غنیمت کے خمس سے ہر شہر اور قصبے میں مساجد تعمیر کروائیں[1]۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے ان مساجد کو آباد رکھنے کے لئے پورے سندھ میں مسلمان آباد کئے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو مفتوحہ علاقوں میں تبلیغ اسلام کا بڑا خیال رہتا تھا چنانچہ انھوں نے سندھی رؤسا کے نام خط تحریر کئے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان کی اس دعوت پر جو سندھی رؤسا مشرف باسلام ہوئے ان میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی شامل تھا[2]۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو سندھی نومسلموں کی دینی تربیت کا اتنا خیال رہتا تھا کہ انھوں نے سندھ کے اہم شہروں کی مساجد میں جید علماء کو خطیب بنا کر بھیجا۔ جب مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنی سیاحت کے دوران سیہون آیا تو وہاں کے خطیب نے اُسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا ایک فرمان دکھایا جس میں اُس کے جدِ اعلیٰ الشیبانی کو جامع مسجد سیہون کا خطیب مقرر کرنے کا ذکر تھا[3]۔

محمد بن قاسم نے سندھ کے طول و عرض میں جو مساجد تعمیر کروائی تھیں۔ اس کی واپسی کے بعد وہاں علوم اسلامیہ کا درس شروع ہو گیا اور مساجد سے ایسے ایسے باکمال عالم پڑھ کر نکلے جنھوں نے دنیائے اسلام سے اپنی علمیت کا لوہا منوایا۔ محمد بن قاسم کا جانشین یزید بن ابی کبشہ بڑا علم دوست شخص اور ثقہ محدث تھا اُسے صحابۂ کرامؓ کی صحبت میسر آئی تھی اور اُس نے ابوالدرداءؓ اور شرجیل بن یوسف سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ یزید بن ابی کبشہ کے شاگردوں میں ابوالبشر، الحکم بن عتیبہ، علی بن الاقمر، معاویہ بن قرہ المزنی اور ابراہیم السکسکی جیسے نامور راوی شامل ہیں۔ امام بخاریؒ نے الصحیح میں، امام الشیبانیؒ نے کتاب الآثار میں

---

[1] میر محمد معصوم بھکری، تاریخ سندھ، مطبوعہ بمبئی ۱۹۳۸ء، ص ۲۶
[2] بلاذری فتوح البلدان (اردو ترجمہ)، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء ص ۶۲۶
[3] ابن بطوطہ رحلۃ، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۴ء، ج ۲، ص ۵

اور امام حاکم نیشاپوری نے المستدرک میں یزید بن ابی کبشہ کی روایتیں نقل کی ہیں[1]۔ ہمارے خیال میں یہ اس کی ثقاہت کی بڑی دلیل ہے۔

اسرائیل بن موسیٰ البصریؒ کا شمار بھی قدما محدثین میں ہوتا ہے۔ موصوف کو تبع تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ انھوں نے امام حسن بصری، ابی حازم الاشجعی، محمد ابن سیرینؒ اور وہب بن منبہ بن سعید القطان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ موصوف سندھ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اسرائیل بڑے ثقہ محدث تسلیم کئے جاتے تھے، امام بخاری نے ان کی روایت کردہ احادیث کو الصحیح میں نقل کیا ہے[2]۔

عمرو بن مسلم باہلی فاتح ماوراء النہر قتیبہ بن مسلم کے بھائی تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے انھیں سندھ کا والی مقرر کیا تھا۔ عمرو نے اپنے عہد میں ہندوستان پر کئی کامیاب حملے کئے۔ عمرو کی زندگی اگرچہ سپاہیانہ تھی مگر وہ علوم کی ترویج و اشاعت میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ انھوں نے یعلیٰ بن عبید سے اور خود اُن سے ابو الطاہر نے حدیثیں روایت کی ہیں[3]۔

موسیٰ بن یعقوب الثقفیؒ کا شمار ابتدائی دور کے علماء میں ہوتا ہے۔ موصوف محمد بن قاسم کے ہم قبیلہ تھے اور اسی کے ساتھ سندھ آئے تھے۔ محمد بن قاسم نے الور کی فتح کے بعد انھیں وہاں کا خطیب مقرر کیا تھا۔ یہ عہدہ ان کی اولاد میں کئی صدیوں تک نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہا[4]۔

معضلؒ بن المہلب کو تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے اور سندھ کی سرزمین کو ان کا مدفن ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ ان کے بھائی یزید بن المہلب نے یزید بن عبد الملک کے عہد میں بغاوت کردی اور وہ یزید کے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا[5]۔

---

[1] محمد اسحق، انڈیاز کونٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر، مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۵۵ء، ص ۲۴
[2] عبد الحیٔ، نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۴۷ء، ج ۱، ص ۲۳
[3] محمد اسحق، انڈیاز کونٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر، مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۵۵ء، ص ۲۶
[4] علی بن حامد کوفی، چچ نامہ، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۳۹ء، ص ۹
[5] بلاذری، فتوح البلدان (اردو ترجمہ)، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء، ج ۲، ص ۶۲۹

اس کے رشتہ داروں نے جن میں مفضل بھی شامل تھے، قندابیل میں پناہ لی[1] لیکن مقامی گورنر نے خلیفہ کے عامل ہلال بن التیمی کے ساتھ مل کر اُن کا مقابلہ کیا۔ مہلب کے بہت سے رشتہ دار اور بھائی دادِ شجاعت دیتے ہوئے میدانِ کارزار میں کام آئے۔ ان مقتولین میں مفضل بھی تھے۔

مفضل نے مشہور صحابی نعمان بن بشیرؓ سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں اور اُن سے روایت کرنے والوں میں ان کے فرزند حاجب، ثابت البنانی اور جریر بن حزم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہمارے محدثین نے مفضل کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ اُن کی روایت کردہ حدیثیں سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں موجود ہیں۔[2]

عربوں کے ابتدائی ایامِ حکومت میں جو اہلِ علم و کمال سندھ میں آکر آباد ہو گئے تھے ان میں شیخ ابو حفص ربیع البصری بھی تھے۔ جن کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ امام حسن بصری کے شاگرد تھے اور بڑے ثقہ محدث تسلیم کئے جاتے تھے۔[3] ان کے شاگردوں میں امام سفیان ثوریؒ، ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارکؒ، ابوالحسن آدم بن عبدالرحمٰن الخراسانیؒ، ابو سلیمان داؤد بن المجبرؒ، ہشام بن عبدالملک الباہلیؒ، ابو سعید عبدالرحمٰن بن مہدی العنبریؒ، ابوالحسن عاصم بن علی الواسطیؒ، ابوالولید الطیالسیؒ، اور ابو سفیان وکیع بن الجراح الکوفیؒ (جو امام اہلِ سنت محمد بن ادریس الشافعیؒ کے شیوخ میں سے تھے) خاص طور پر مشہور ہیں۔[4]

ابو حفص ربیع نے سندھ میں احادیثِ نبوی کا درس شروع کیا اور انھوں نے علم کی جو شمع روشن کی اس کی ضَو سے پورا سندھ منور ہو گیا۔

---

[1] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (اردو ترجمہ)، مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۷۶ء، ج ۱۲، ص ۳۰۵

[2] محمد اسحٰق، انڈیاز کونٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر، مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۵۵ء، ص ۲۶

[3] رحمٰن علی، تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۴ء، ص ۳

[4] ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ماہنامہ المعارف لاہور، بابت جنوری ۱۹۷۳ء، ص ۱۰

عربوں کے دور حکومت میں سندھ کی خاک سے جو اہل علم پیدا ہوئے ان میں ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن السندی کا نام سر فہرست ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ خود یمن میں پیدا ہوئے تھے لیکن ان کے والدین سندھی تھے) ابو معشر کتاب مغازی کے مصنف اور نامور محدث ہیں اور امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ نے انھیں مغازی پر سند تسلیم کیا ہے[۱]۔ ان کے اساتذہ میں محمد بن کعب القرظی، موسیٰ بن یسار، نافع مولیٰ ابن عمرؓ، ابن المنکدر اور محمد بن قیس کے نام لئے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک صحابی امامہ بن سہلؓ کو دیکھا تھا[۲]۔ ابو معشر نے مدینہ منورہ اور بغداد میں درس حدیث دیا اور عرب و عراق کے نامور علماء نے ان سے حدیث کی سند لی[۳]۔ عباسی خلیفہ کے دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی اور جب ان کا انتقال ہوا تو خلیفہ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی[۴]۔

اسی طرح سندھ کے علماء میں الحافظ الامام ابوبکر محمد بن رجاء کا بڑا اونچا مقام ہے۔ موصوف نے اسحٰق بن راہویہ، احمد بن حنبل، علی ابن المدینی، ابن نمیر، اور ابابکر ابن ابی شیبہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کے تلامذہ میں ابو عوانہ، ابو حامد ابن الشرقی، محمد بن صالح بن ہانی، ابن الاخرم اور ابو النضر محمد بن محمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ابوبکر محمد نے احادیث کا ایک مجموعہ الصحیح کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے امام مسلم بن حجاج نیشاپوری کی الصحیح کا خلاصہ بھی تیار کیا۔ ابوبکر محمد ۲۸۶ھ میں راہی ملک بقا ہوئے[۵]۔

الحافظ خلف بن سالم السندیؒ آل مہلب کے آزاد کردہ غلام اور اپنے عہد کے ایک

---

[۱] ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، مطبوعہ حیدرآباد، ج ۱، ص ۲۱۳
[۲] خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، مطبوعہ بغداد ۱۹۳۱ء، ج ۱۳ ص ۴۲۷
[۳] سمعانی، کتاب الانساب، مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء ص ۳۱۳ ب
[۴] ایضاً۔
[۵] ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۶ء، ج ۲ ص ۶۸۶

نامور محدث تھے۔ انھوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی جہاں ان کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا تھا۔ ابوبکر بن عیاش اور یعقوب شعبہ جیسے اہل علم نے انھیں ثقہ اور یحییٰ بن معین جیسے فاضل نے انھیں صدوق کہا ہے۔ الحافظ خلف ۲۳۱ھ میں فوت ہوئے[1]۔ ان سے بہت سے لوگوں نے حدیث کی سماعت کی ہے۔

اسی طرح سندھ میں ابوالعطاء سندھی جیسا قادر الکلام شاعر پیدا ہوا جس کے قصائد نے عربی ادب کی مشہور کتاب الحماسہ میں عربی شعراء کے قصائد کے ساتھ جگہ پائی[2]۔

سندھ میں عربوں کے دورِ حکومت میں ابو علی سندھیؒ نام کے ایک صوفی ہوتے ہیں جن سے مشہور صوفی حضرت بایزید بسطامیؒ (م ۲۶۱ھ) نے تصوف کی تعلیم پائی تھی۔ ابو علی کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ عربی نہیں جانتے تھے[3]۔ حضرت بایزیدؒ کے سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

أنا تعلمت من أبي علي علم الفناء والتوحيد	میں ابو علی سے علم فنا اور توحید کی تعلیم حاصل
وهو تعلم مني الحمد وقل هو الله احد[4]	کی اور انھوں نے مجھ سے الحمد اور قل ہو اللہ سیکھی

قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی تصنیف "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں چونتیس ایسے عالموں، زاہدوں اور محدثوں کے نام گنوائے ہیں جو سندھی نسبت سے مشہور تھے۔ یہاں ان کا ذکر کرنا طوالت سے خالی نہیں ہوگا۔

عربوں کے عہدِ حکومت میں دیبل کا شمار دنیائے اسلام کے عظیم علمی مراکز میں ہوتا تھا۔ مشہور جغرافیہ دان یاقوت الحموی نے تو "وقد نسب اليها قوم من الرواة" لکھ کر اپنی دانست میں اپنا فرض پورا کر دیا ہے[5] لیکن طبقات قسم

[1] ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۵ء، ج ۲، ص ۹۵
[2] ابی تمام حبیب، دیوان الحماسہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء، ص ۴۲
[3] بشر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء، ج ۱، ص ۹۳۳
[4] قاضی اطہر مبارکپوری، رجال السند والہند، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۵ء، ص ۲۸۴
[5] یاقوت الحموی، معجم البلدان، مطبوعہ بیروت ۱۹۶۶ء، ج ۲، ص ۴۹۵

کی کتابوں کی ورق گردانی سے یہ معلوم ہوا کہ اس زمانے میں دیبل میں بڑے نامی گرامی علماء، حفاظ، قراء، محدثین اور مفسرین مقیم تھے اور ایک عالم اُن کے فیضانِ علم سے سیراب ہو رہا تھا۔ ایسے ہی علماء میں ہمیں احمد بن محمد بن ہارون المقری الدیبلی کا نام نظر آتا ہے جو اپنے عہد کے نامور محدث اور قاری تھے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے علوم مروجہ کی تعلیم جعفر بن محمد الفریابی اور ابراہیم بن شریک الکوفی سے پائی اور قرآت کا فن جعنون بن الیثم سے بروایت حفص سیکھا۔ ان سے کچھ حدیثیں بھی مروی ہیں لیکن ان میں سب سے اہم وہ حدیثیں ہیں جن کی روایت انھوں نے چند واسطوں سے حضرت ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہؐ سے کی ہیں۔ احمد بن محمد کا انتقال رجب ۳۴۳ھ میں ہوا۔[۱]

علی بن موسیٰ کا شمار چوتھی صدی کے نامور محدثین میں ہوتا ہے۔ یہ بزرگ دیبل میں حدیث کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے[۲] کچھ عرصہ کے لئے آپ بغداد بھی تشریف لے گئے جہاں بہت سے علماء نے ان سے حدیث کی سماعت کی۔

خلف بن محمد الموازینی کا شمار بھی دیبل کے مشاہیر میں ہوتا ہے۔ یہ بزرگ علی بن موسیٰ دیبلیؒ کے تلمیذ الرشید تھے لیکن انھوں نے بغداد کی سکونت اختیار کر لی تھی جہاں وہ حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ ان کے تلامذہ میں سے ابوالحسن نے بڑا نام پایا ہے۔[۳]

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی تیسری صدی کے اولیائے کبار میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ صاحب کشف و کرامت تھے اور فنِ قرأت میں امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان کے اساتذہ میں جعفر بن محمد سقیطہ، عبدالرزاق بن حسن اور سکن بن بکرویہ جیسے قراء کے نام لئے جاتے ہیں۔[۴] آپ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی جہاں وہ عربوں کو قرآت اور تجوید

---

[۱] اطہر مبارکپوری، رجال السند والہند، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۸ء، ص ۶۳
[۲] ایضاً، ص ۱۶۲۔
[۳] خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، مطبوعہ بغداد ۱۹۳۱ء، ج ۸، ص ۳۳۳ [۴] ایضاً
[۵] ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ، مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۵۶ء، ج ۴، ص ۵۲ - ۵۳

کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

ابو العباس احمد بن نصر بن الحسین القاضی الدیبلیؒ کا شمار دیبل کے نامور زہاد و عباد اور اہلِ علم میں ہوتا ہے۔ موصوف کو فقہ شافعی پر کامل دسترس تھی۔ ابو العباس دیبل سے بغداد چلے گئے تھے جہاں قاضی القضاۃ ابو الفضائل القاسم بن یحییٰ نے الصین قاضی کے عہدہ پر فائز کیا۔[1]

ابو العباس بڑے نیک اور متقی انسان تھے اور دین کے معاملات میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یاقوت الحموی نے ان کے لئے دعائیہ کلمات استعمال کئے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ان کا بڑا احترام تھا۔[2] ابو العباس آخر عمر میں موصل چلے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

ابو القاسم شعیب بن محمد بن احمد بن سعید بن بزیغ بن سوار دیبلیؒ برصغیر پاک و ہند کے قدماء محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے سوانح حیات کسی تذکرے میں نظر سے نہیں گزرے۔ ان کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ وہ دیبل سے ترک سکونت کر کے مصر چلے گئے تھے، جہاں وہ حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔[3] ڈاکٹر محمد اسحٰق کی روایت کے مطابق مشہور محدث ابو سعید بن یونس اُن کے شاگرد تھے۔[4]

علی بن احمد بن محمد دیبلیؒ کا شمار تیسری صدی کے مشاہیر فقہا اور محدثین میں ہوتا ہے۔ موصوف شافعی المذہب تھے اور انھوں نے فن قضاء پر ایک کتاب "ادب القضاء" کے نام سے لکھی تھی، جس میں قضاء کے بعض اہم مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ان

---

[1] اطہر مبارک پوری، رجال السند والہند، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۸ء، ص ۶۵

[2] یاقوت الحموی، معجم البلدان، مطبوعہ بیروت ۱۹۵۹ء، ج ۱، ص ۲۵۸

[3] اطہر مبارک پوری، رجال السند والہند، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۸ء، ص ۱۵۷

[4] محمد اسحٰق، انڈیاز کونٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۵۹ء، ص ۳۶

کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ابوالعباس الاصم اور ابوعبداللہ بن احمد بن موسیٰ دیبلیؒ جیسے نامور ماہرین حدیث سے روایت کی ہے۔ قاضی اطہر مبارک پوری کے خیال میں علی بن احمد مقری شام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی کے نواسے تھے[1]

ابوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلیؒ اپنے عہد میں حدیث کے زبردست عالم مانے جاتے تھے۔ انھوں نے ابی عبیداللہ بن عبدالرحمٰن المخزومی، ابن المبارک اور ابی عبداللہ الحسین بن الحسن المروزی سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ دیبل کی سکونت ترک کرکے مکہ مکرمہ میں جا بسے تھے جہاں آپ حدیث کا درس دیا کرتے تھے[2]۔ ان کے فرزند رشید ابراہیم بن محمد دیبلیؒ نے بھی علم حدیث میں بڑا نام پایا ہے۔ موصوف نے اپنے والد کے علاوہ موسیٰ بن ہارون سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابراہیم بھی اپنے والد کے ساتھ مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے تھے[3]

ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ الوراقؒ دیبل کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار زہاد کے زہاد اور عباد میں ہوتا تھا۔ موصوف نے حدیث کی تعلیم جعفر بن محمد بن الحسن، عبدان بن احمد بن موسیٰ العسکری اور محمد بن عثمان بن ابی سوید البصری سے پائی تھی۔ علم حدیث میں ان کی عظمت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف امام حاکم نیشاپوریؒ صاحب المستدرک کے استاد تھے[4]

ابومحمد دیبلیؒ کا شمار تیسری صدی کے مشاہیر صوفیاء اور جنید بغدادیؒ کے ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ آپ دیبل سے نقل مکانی کرکے بغداد میں جا بسے تھے۔ ان کے متعلق یہ روایت اکثر تذکروں میں ملتی ہے!

---

[1] اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۷ء، ص ۱۲۱
[2] سمعانی، کتاب الانساب، مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۲ء، ص ۲۳۶ ب
[3] یاقوت الحموی، کتاب الانساب، مطبوعہ بیروت ۱۹۵۷ء، ج ۲، ص ۴۹۵
[4] سمعانی، کتاب الانساب، مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۲ء، ص ۲۳۶ ب

وکان جنید یکرمہ[1] جنید ان کا احترام کیا کرتے تھے۔

ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی کا شمار چوتھی صدی کے نامور زہاد اور محدثین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے حصول علم کے لئے بڑا طویل سفر کیا اور اس راہ میں بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ انھوں نے بصرہ میں ابا خلیفہ قاضی اور معدا (؟) جعفر بن محمد الفریابی سے، مکہ مکرمہ میں مفضل بن محمد الجنیدی اور محمد بن ابراہیم دیبلی سے، مصر میں علی بن عبدالرحمن اور محمد بن زبان سے، دمشق میں ابا الحسن احمد بن عمیر سے، بیروت میں ابا عبدالرحمن سے، حران میں ابا عروبہ الحسین بن ابی معشر سے اور تستر میں احمد بن زہیر سے حدیث کی سماعت کی۔ علم حدیث میں ان کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک ان کے شاگرد تھے۔

آخری عمر میں ابوالعباس نے نیشاپور میں الحسن بن یعقوب الحدادی کی خانقاہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ ہمیشہ صوفیانہ لباس زیب تن کرتے اور نماز کے لئے مسجد میں جانے کے علاوہ خانقاہ سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ سمعانی کی روایت کے مطابق انھوں نے رجب ۳۴۳ھ میں نیشاپور میں وفات پائی[2]۔

ابوالقاسم الحسین بن محمد بن اسد دیبلی کے ایک بلند پایہ محدث تھے۔ ان کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ وہ ۳۲۰ھ کے لگ بھگ دمشق میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے[3]۔

ابوبکر محمد بن حسین بن محمد دیبلی چوتھی صدی کے ایک نامور قاری اور محدث تھے۔ انھوں نے قرأت کا فن امام قرأت ہارون اخفش کے دو شاگردوں ابن لبی حمزہ اور ابن ابی داؤد

---

[1] اطہر مبارکپوری، رجال السند والہند، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۸ء، ص ۲۸۶

[2] سمعانی، کتاب الانساب، مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء، ص ۲۳۶ ب

[3] اطہر مبارکپوری، رجال السند والہند، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۸ء، ص ۱۰۵

سے سیکھا تھا۔ ان کے تلامذہ میں امام حافظ ابوالحسن علی ابن عمر دارقطنی اور عبدالباقی ابن حسن جیسے بزرگوں کے نام آتے ہیں۔ انھوں نے شام میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی[1]

ابوموسیٰ دیبلی کا شمار تیسری صدی کے صوفیا میں ہوتا ہے۔ موصوف حضرت بایزید بسطامی کے بھانجے تھے۔ اور ان کی صحبت سے مستفیض بھی ہوئے تھے۔ ابوموسیٰ سے اپنے ماموں کے بہت سے اقوال منقول ہیں[2]

ابومحمد حسن بن حامد دیبلی چوتھی صدی کے ایک بلند پایہ ادیب، شاعر اور محدث تھے اور ان کا شمار بغداد کے بڑے مالدار تاجروں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے بغداد میں ایک سرائے بنوائی تھی۔ جو ان کے نام کی مناسبت سے "سرائے خان بن حامد" کہلاتی تھی۔

ابومحمد نے حدیث کی سماعت علی بن محمد بن سعید موصلی سے کی تھی۔ اور ان کے شاگردوں میں محمد بن علی صوری نے علم حدیث میں بڑا نام پایا ہے۔ عربی شاعری میں بھی ابومحمد کا بڑا اونچا پایہ تھا۔ اور مشہور شاعر المتنبی کے ان کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ اور وہ بغداد میں قیام کے دوران انہی کے ہاں مہمان ٹھہرا کرتے تھے۔ المتنبی کہا کرتے تھے کہ اگر وہ کسی تاجر کی تعریف کرتا تو ابومحمد کا ذکر اپنے اشعار میں ضرور کرتا

ابومحمد نے کچھ عرصہ مصر میں بھی درس حدیث دیا اور وہیں ۴۰۷ھ میں انھوں نے رحلت فرمائی[3]

دیبل کی یہ علمی بساط زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ ۲۸۰ھ میں اس دارالحدیث

---

[1] - اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۲

[2] - ایضاً، ص ۱۶۳

[3] - اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۷ء ص ۱۶۱ -

واسنن میں ایک زبردست زلزلہ آیا۔ اور چند لمحوں میں یہ جیتا جاگتا شہر ملبہ کا ڈھیر بن گیا۔ علامہ بلاذری کی روایت کے مطابق اس سانحہ میں ڈیڑھ لاکھ انسان لقمۂ اجل بنے[1]۔ اس حادثہ میں جو لوگ زندہ بچ گئے انھوں نے دل برداشتہ ہو کر عرب ممالک کی راہ لی یہی وجہ ہے کہ ہمیں تیسری صدی اور چوتھی صدی میں دیبلی نسبت رکھنے والے متعدد عالم اور محدث مصر، شام، عراق اور حجاز میں درس و تدریس میں مشغول نظر آتے ہیں۔

دیبل کے بعد سندھ میں علم و ادب اور صنعت و تجارت کا دوسرا مرکز منصورہ تھا۔ مشہور جغرافیہ دان یاقوت الحموی نے منصورہ کا تعارف "مدینۃ کبیرۃ کثیرۃ الخیرات ذات جامع کبیر" کے الفاظ میں کروایا ہے[2]۔ مورخ شہیر مقدسی نے اس "جامع کبیر" کا محل وقوع "وسط الاسواط" بتایا ہے۔ انھوں نے یہاں کے باشندوں کو اصحاب علم و مروت بتاتے ہوئے ان کی ذکاوت اور اسلام دوستی کی بڑی تعریف کی ہے[3]۔ مقدسی کے زمانے میں منصورہ کپڑے اور جوتے کی صنعت کا بڑا مرکز تھا اور یہاں کے بنے ہوئے کپڑے اور جوتے وسادر کو بھیجے جاتے تھے[4]۔ جب مسعودی یہاں آیا تو اس نے تمام علاقے کو ہرا بھرا پایا[5]۔ اصطخری نے بھی اپنی مشہور تصنیف المسالک والممالک میں آم اور لیموں کے درختوں کی نشاندہی کی ہے[6]۔ ابن الفقیہ الہمذانی نے بھی سندھ میں "عجائب کثیرۃ" کی موجودگی کا ذکر کیا ہے[7]۔

لہ۔ طبری، تاریخ طبری (اردو ترجمہ) مطبوعہ حیدر آباد سنہ ۱۹۴۰ء، ج ۳، ص ۶۱۵

لہ۔ یاقوت الحموی، معجم البلدان، مطبوعہ مصر سنہ ۱۹۰۶ء، ج ۸، ص ۱۷۷ — ۱۷۸

لہ۔ المقدسی احسن التقاسیم، مطبوعہ لیدن سنہ ۱۸۷۷ء، ص ۴۷۹

لہ۔ ایضاً، ص ۴۷۹

لہ۔ مسعودی مروج الذہب، مطبوعہ قاہرہ سنہ ۱۸۶۶ء، ج ۱، ص ۸۱

لہ۔ ابن حوقل، کتاب صورۃ الارض، مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۳۹ء، ج ۲، ص ۳۲۰ - ۳۲۱

لہ۔ اصطخری، المسالک والممالک، مطبوعہ قاہرہ سنہ ۱۹۶۱ء - ص ۱۰۳

کا ذکر کیا ہے[1]۔

دیبل کی طرح منصورہ میں بھی اہل علم وفضل کی ایک جماعت موجود تھی۔ منصورہ کے علمار میں ابوجعفر عبداللہ بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن عیسٰی بن ابی جعفر المنصور المعروف بہ ابن بویہ بڑے اونچے پلیئے کے عالم تھے۔ سمعانی نے انہیں بڑا ثقہ محدث بتایا ہے۔ ان سے محدثین کی ایک بڑی جماعت نے حدیث کی روائت کی ہے۔ انھوں نے ۳۵۰ھ میں وفات پائی[2]۔

ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن حرۃ بھی منصورہ کے ایک نامور محدث اور قرآن مجید کے مستند قاری تھے۔ انھوں نے حدیث کی سماعت حسن بن مکرمؒ اور ان کے ساتھیوں سے کی تھی۔ ان کی علمی شان کا اندازہ صرف اتنی سی بات سے ہوسکتا ہے کہ امام حاکم نیشاپوریؒ صاحب المستدرک ان کے شاگرد تھے[3]۔

ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح التیمی امام داؤد ظاہری کے پیرو اور منصورہ کے قاضی تھے۔ ان کا شمار ظاہری مذہب کے فضلا ء میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے مذہب کی تائید میں بڑی بلند پایہ کتابیں لکھی تھیں جن میں سے کتاب المصباح کبیر، کتاب الہادی اور کتاب النیرؔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں[4]۔ سمعانی کی روائت ہے کہ آپ منصورہ سے عراق چلے گئے تھے۔ ابوالعباس کو بھی امام حاکم نیشاپوری کا استاذ ہونے کا شرف حاصل ہے[5]۔

---

[1] ابن الفقیہہ الہمذانی، کتاب البلدان، مطبوعہ لیدن ۱۸۸۵ء، ص ۲۵۱

[2] سمعانی، کتاب الانساب، مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء، ص ۵۴۳ ب

[3] ایضاً۔

[4] ابن ندیم، الفہرست مطبوعہ المطبعۃ الرحمانیہ مصر، ص ۳۰۶۔

[5] سمعانی، کتاب الانساب، مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء، ۵۴۳ ب

قاضی ابو محمد داؤد دیلی کا شمار بھی منصورہ کے فضلاء میں ہوتا ہے موصوف ظاہری مذہب کے امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ مشہور جغرافیہ داں اور سیاح المقدسی نے ان سے منصورہ میں ملاقات کی تھی اور اس نے ان کی چند تصانیف دیکھی تھیں۔ جو اس کی رائے میں بڑی بلند پایہ تھیں[۱]۔

ابو بکر احمد بن محمد منصوری بکرآبادی بھی منصورہ کے ایک بلند پایہ محدّث تھے۔ انھوں نے حدیث کی سماعت امام ابو بکر اسمٰعیلی اور حافظ بن عدی سے کی تھی موصوف منصورہ سے ترکِ سکونت کرکے جرجان کے ایک نواحی قصبے بکرآباد میں جا بسے تھے[۲]۔ ابو بکر کا انتقال ۲۹ جمادی الاول ۴۲۲ھ کو بکرآباد میں ہوا[۳]۔

دیبل اور منصورہ کے بعد سندھ میں تیسرا بڑا علمی مرکز بوقان تھا۔ اور یہ خالص مسلمانوں کی بستی تھی[۴]۔ یہاں ہر دور میں یہاں کئی نامور علماء پیدا ہوئے جنھوں نے سندھ کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی علم کے چراغ روشن کئے۔

بوقان کے علماء میں ابو سعید بن اسعد بن محمد بوقانیؒ بڑے اونچے پایہ کے عالم تھے۔ اور ان کا شمار چھٹی صدی کے مشاہیر شوافع میں ہوتا تھا۔ موصوف کو امام غزالی کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ابو سعید ذی قعدہ ۵۵۶ھ میں مشہد علی رضا میں غزوں کے ہاتھوں شہید ہوئے[۵]۔

محمد ابن احمد بن منصور بوقانیؒ چوتھی صدی کے ایک نامور محدّث تھے۔ انھوں نے حدیث کی سماعت مشہور محدث امام ابو حاتم بن محمد بن حبان بستی (م ۳۵۴ھ)

۱۔ مقدسی احسن التقاسیم، مطبوعہ بیروت مکتبہ خیاط، ص ۴۸۱

۲۔ اطہر مبارکپوری۔ رجال السند والہند مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۸ء، ص ۵۸

۳۔ ایضاً۔

۴۔ یاقوت الحموی، معجم البلدان، مطبوعہ مصر ۱۹۰۶ء ج ۲، ص ۳۰۷

۵۔ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیہ الکبریٰ مطبوعہ مطبع حسینیہ مصر ج ۴ ص ۶۶

سے کی تھی۔ اس سے زیادہ ان کے حالات نہیں مل سکے۔ [1]

ابو المکارم فضل اللہ بن محمد بوقانی کا شمار پانچویں صدی کے نامور محدثین میں ہوتا ہے۔ ان کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ موصوف امام بغوی صاحب المصابیح کے آخری شاگرد تھے۔ [2]

محمد بن احمد بن محمد بن خلیل بن احمد بوقانی ۴۶۷ھ میں بوقان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے حدیث کی تعلیم امام ابوبکر بن خلف شیرازی سے پائی ان کے شاگردوں میں سے عبدالرحیم بن سمعانی نے علم حدیث میں بڑا نام پیدا کیا۔ محمد بن احمد محرم ۵۴۹ھ میں بوقان میں فوت ہوئے۔ [3]

عربوں کے دورِ حکومت میں قصدار (موجودہ خضدار) کے انگور شیرینی اور لطافت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ [4]

للہ قصدار و اعنابہا الی فتی دینا اجنت و دین

سندھ کے دوسرے اہم شہروں کی طرح قصدار بھی علم و ادب کا ایک بڑا مرکز تھا اور اس شہر کی خاکِ پاک سے بھی کئی نامور علماء اٹھے۔ جو دنیائے علم و ادب کے آسمان پر مہر و مہ بن کے چمکے۔ علمائے قصدار میں ابو محمد جعفر بن الخطاب القصداری بڑے اونچے پایہ کے عالم تھے۔ موصوف بڑے اعلیٰ پایہ کے محدث اور فقیہہ مانے جاتے تھے۔ اور وہ اپنے ہمعصروں میں زہد و ورع کے لئے ضرب المثل تھے۔ انھوں نے حدیث کی سماعت ابو الفضل عبدالصمد بن محمد بن نصیر العاصمی سے کی اور ان کے تلامذہ

---

[1] اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۲

[2] ایضاً۔

[3] ایضاً۔

[4] بلاذری، فتوح البلدان (اردو ترجمہ)، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۲ء، ص ۷۱۴

میں سے ابو الفتوح عبدالغافر بن الحسین بن علی الکاشغری نے بڑا نام پیدا کیا ہے۔ ابو محمد قصدار سکونت ترک کر کے بلخ میں جا بسے تھے[1]

ابو داؤد سیبویہ بن اسمٰعیل کا شمار پانچویں صدی کے نصف اول کے مشاہیر محدثین میں ہوتا ہے۔ موصوف قصدار سے نقل مکانی کر کے مکہ مکرمہ میں جا بسے تھے جہاں وہ حدیث درس دیا کرتے تھے۔ ان کے اساتذہ میں ابوالقاسم علی بن محمد بن عبداللہ بن یحیٰی طاہر حسینی، ابوالفتح رجاءبن عبدالواحد اصبہانی اور حافظ ابوالحسین یحیٰی بن ابی الحسن رواسی جیسے فضلا کے نام گنوائے جاتے ہیں۔ ابو داؤد نے ۴۶۰ھ کے لگ بھگ مکہ مکرمہ میں انتقال کیا[2]

چوتھی صدی کے وسط میں قصدار، مکران اور کرمان پر خوارج کا قبضہ ہو گیا اور انھوں نے یہاں ایک آزاد حکومت قائم کر لی جس کا دولت عباسیہ کے ساتھ کسی بھی قسم کا رابطہ نہ تھا[3]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصدار اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں پر خوارج کا تسلط قائم ہوتے ہی وہاں سے سنی علما ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

راجہ داہر کا پایہ تخت الور سندھ کے دوسرے شہروں کی طرح بھی علمی مرکز نہ بن سکا تاہم وہاں ایک علمی خاندان محمد بن قاسم کے زمانے سے ہی آباد ہو گیا تھا۔ جس نے مسلمانوں کی علمی روایات کو صدیوں تک برقرار رکھا۔ علی بن حامد کوفی کی ملاقات الور میں اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب الثقفی سے ہوئی تھی جو اپنے زمانے کے ایک نامور فقیہہ اور الور کے قاضی اور خطیب تھے۔ موصوف کو قضا اور خطابت ورثہ میں ملی تھی۔ چچ نامہ کے ایک اندراج سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ کو محمد بن قاسم نے دارالحکومت الور کا قاضی اور خطیب مقرر کیا تھا[4]۔ علی بن حامد کوفی کو تاریخ سندھ کے عربی اوراق اسمٰعیل سے

---

[1] سمعانی، کتاب الانساب، مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء، ص ۵۵م ب
[2] اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۲ء، ص ۲۹۹ - ۳۰۰
[3] ایضاً، ص ۲۶۷
[4] علی بن حامد کوفی، چچ نامہ، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۳۹ء، ص ۹

بھی لکھی جس کا فارسی ترجمہ علی بن حامد نے چچ نامہ کے عنوان سے کیا ہے۔[1]

ملتان کا شمار بھی اس زمانے میں سندھ کے شہروں میں ہوتا تھا۔ جب مشہور سیاح اور جغرافیہ دان ابن حوقل یہاں آیا تو اُس نے اہالیانِ ملتان میں قرآن اور علوم قرآن کی طرف رغبت پائی۔ اس زمانے میں ملتان میں ساتوں قرأتوں سے قرآن پڑھنے والے قاری موجود تھے۔ ابن حوقل کی ملاقات ایسے لوگوں سے بھی ہوئی جو فقہ اور ادب سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اس نے ملتان میں علماً کی موجودگی کا اعتراف کیا ہے لیکن ان کے نام نہیں بتائے۔[2] مقدسی نے بھی اہلِ ملتان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

لیس عندهم زناء ولا شرب خمر ومن ظفروا به یفعل ذلك قتلوه او حدّوه ولا یکذبون فی بیع ولا یبخسون فی کیل ولا یخسرون فی وزن یحبون الغرباء۔[3]

ان کے ہاں زنا نہیں ہے اور نہ ہی شراب پی جاتی ہے۔ جس کو ایسا کرنے پر پکڑنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں اسے قتل کردیتے ہیں یا اس پر حد جاری کرتے ہیں۔ وہ خرید فروخت میں جھوٹ نہیں بولتے۔ وہ نہ کم ماپتے ہیں اور نہ ہی کم تولتے ہیں۔ وہ مسافروں سے محبت کرتے ہیں۔

اس زمانے میں سندھ کا اطلاق قریب قریب سارے پاکستان پر ہوتا تھا۔ اس لئے لاہور بھی "من مضافات ملتان"[4] ہونے کی وجہ سے سندھ میں شامل تھا۔ اس زمانے

---

[1] ۔ علی بن حامد کوفی، چچ نامہ، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۳۹ء، ص ۹

[2] ۔ ابن حوقل، کتاب صورۃ الارض، مطبوعہ لیدن ۱۹۳۹ء، ج ۲، ص ۳۲۲

[3] ۔ مقدسی، احسن التقاسیم، مطبوعہ لیدن ۱۸۷۷ء، ص ۴۸۰

[4] ۔ سید علی ہجویری، کشف المحجوب، مطبوعہ سمرقند ۱۳۳۰ھ، ص ۱۱۵

میں لاہور جیسا بھی تھا۔ علم و ادب کا بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ سمعانی نے "خرج جماعۃ من العلماء" لکھ کر لاہور کے دار العلم ہونے کی گواہی دی ہے[1]۔ اس زمانے میں لاہور میں ابو الحسن علی بن عمر الحکم بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ موصوف بہت بڑے ادیب اور شاعر تھے اور حدیث پر بھی ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ ان کے شیوخ حدیث میں ابا علی المظفر بن الیاس بن سعید السعیدی کا نام بھی آتا ہے، جو اپنے عہد میں علم حدیث کے ایک نامور اُستاد تھے۔

ابو الحسن کے تلامذہ میں سے ابو الفضل محمد بن ناصر السلامی الحافظ البغدادی اور ابو الفتوح عبد الصمد بن عبد الرحمٰن الاشعثی اللوہوری خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان دونوں حضرات نے چوں کہ سمرقند میں ابو الحسن سے حدیث کی سماعت کی تھی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کچھ عرصہ کے لئے وہاں بھی تشریف لے گئے تھے۔ ابو الحسن کا انتقال ۵۲۹ھ میں لاہور میں ہوا[2]۔

ابو الحسن کے تلامذہ میں ابو الفتوح عبد الصمد بن عبد الرحمٰن الاشعثی اللوہوری کا ذکر آیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بزرگ بھی لاہور کے رہنے والے اور اپنے زمانے کے نامور محدث تھے۔

ابی موسیٰ عمرو بن سعد اللاہوری کا شمار بھی اسی عہد کے علماء اور محدثین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے شیخ الحافظ ابی موسیٰ المدنی الاصبہانی سے روایت کی ہے[3]۔ ان کے تلامذہ میں سے ابو موسیٰ المدینی محمد بن ابی بکر الاصبہانی بڑے اونچے پایہ کے عالم تھے۔

عمر بن اسحٰق الوزشی اللاہوری چھٹی صدی کے ایک نامور عالم اور شاعر تھے۔ سید عبد الحیٔ نے ان کے چند اشعار نقل کئے ہیں[4]۔

---

[1] سمعانی۔ کتاب الانساب، مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء، ص ۴۹۷ ب
[2] ایضاً
[3] یاقوت الحموی، معجم البلدان، مطبوعہ بیروت ۱۹۵۷ء، ج ۵، ص ۲۷
[4] عبد الحیٔ، نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۴۷ء، ج ۱، ص ۱۰۷

دوش در سودائی دلبر بودہ ام — بالب خشک و رخ تر بودہ ام
در خمار جہر مخمور او — دیدہ بازاز غم چوں جہر بودہ ام
وز نم چشم و تف دل ہر زمان — گوئی اندر آب و آذر بودہ ام
ہمچون بحر و کان ز آب و خون اشک — پُر ز در و پُر ز گوہر بودہ ام

ابوالقاسم محمود بن محمد بن خلف اللہاوری کا شمار لاہور کے علمائے متقدمین میں ہوتا ہے۔ موصوف اپنے عہد کے ایک نامور فقیہ اور مناظر تھے۔ انھوں نے فقہ کی تعلیم اپنے دادا امام ابی علی المظفر سمعانی سے پائی تھی[1]۔ ابو القاسم کچھ عرصہ کے لئے اسفرائین بھی تشریف لے گئے جہاں بہت سے لوگوں نے ان سے حدیث کی سماعت کی۔ ان کے تلامذہ میں سے ابا الفتح عبدالرزاق بن حسان المنیعی، ابا النصر محمد بن محمد الماہانی، ابا بکر بن خلف شیرازی، ابا اسحق ابراہیم بن عمر بن ابراہیم اصبہانی، ابا سہل احمد بھی اسمٰعیل بن بشر النہرجانی خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کے ایک شاگرد ابوسعد نے اسفرائین میں ان کی روایت سے حدیث کی املا بھی کی تھی۔ ابو القاسم کا انتقال ۴۸۰ھ کے لگ بھگ ہوا[2]۔

محمد بن المامون بن الرشید بن ہبۃ اللہ المطوعی اللہاوری چھٹی صدی کے ایک نامور عالم اور محدث تھے۔ موصوف علم کی طلب میں لاہور سے خراسان تشریف لے گئے جہاں انھوں نے فقہ شافعی میں کمال حاصل کیا۔ نیشاپور میں قیام کے دوران انھوں نے ابی بکر شیرازی اور ابی نصر قشیری سے حدیث کی سماعت کی اور روایت کی اجازت لے کر بغداد چلے گئے جہاں وہ مدت تک مقیم رہے۔ آخر عمر میں موصوف آذربائجان منتقل ہو گئے جہاں انھوں نے ۶۰۲ھ میں ملاحدہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا[3]۔

---

[1] سمعانی، کتاب الانساب، مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء، ص ۹۷ ا الف
[2] یاقوت الحموی، معجم البلدان، مطبوعہ بیروت ۱۹۵۶ء، ج ۳ ص ۲۷
[3] ایضاً

یہ قدرت کی بڑی ستم ظریفی ہے کہ وہی سندھ جو کبھی علم و ادب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا جس کے ایک ایک شہر اور قصبے سے ایسے ایسے نادر روزگار عالم پیدا ہوئے جنہوں نے دنیائے اسلام میں علم کی شمعیں روشن کی تھیں، آج اس پر جہالت اور ادبار کے بادل چھائے ہوتے ہیں اور دور دور تک علم کی روشنی نظر نہیں آتی۔

ضروری گذارش

کاغذ کی ہوش ربا گرانی کے باعث برہان کی اشاعت فروری ۱۹۵۸ء میں ہی بند ہو جاتی مگر ادارہ کے ممبران اور خریداران برہان کے اصرار پر اشاعت جاری رکھی گئی تھی۔ برہان میں جو کاغذ لگایا جاتا ہے گذشتہ ماہ تک ۵۰ روپے فی رم کے حساب سے مل رہا تھا۔ مگر اب ماہ جون میں وہی کاغذ ۶۹ روپے فی رم سے زیادہ آرہا ہے ٹائٹیل کا کاغذ جو ۶۰ روپے تک آجاتا تھا اب ۱۵۰ روپے رم آیا ہے۔ طباعت جو ۹/- فی پلیٹ دی جا رہی تھی۔ اب ۱۲/- فی پلیٹ تک پہنچ گئی ہے ان حالات میں قارئین برہان اور ادارہ کے ممبران سے حسب ذیل امور میں تعاون درکار ہے۔

(۱) برہان کا چندہ اور ممبری کی فیس بر وقت ادا فرمائیں۔

(۲) یاد دہانی کے خطوط ارسال ہوتے ہیں۔ قارئین ان خطوط پر کم توجہ فرماتے ہیں۔ اگر رسالہ برہان جاری رکھنا چاہتے ہیں تو فوراً ادائیگی فرمائیں ورنہ سلسلہ منقطع کرنے کی بروقت ہدایت دیں۔

(۳) خریداران برہان اور ادارہ کے ممبران نئے خریدار اور نئے ممبروں کی توسیع کے لئے کوشش فرمائیں۔

(۴) دفتر کو خطوط روانہ کرتے وقت یا منی آرڈر ارسال کرتے وقت اپنا خریداری نمبر تحریر کرنا نہ بھولیں تاکہ جواب یا تعمیل میں تاخیر نہ ہو۔ پتہ صاف صاف تحریر فرمائیں۔

(۵) ادارہ کی فہرست طلب فرمائیے تاکہ آپ خود ادارہ کی مطبوعات سے متعارف ہوں اور دوسروں کو متعارف کرائیں۔

نیاز منند

منیجر برہان دہلی